ڈاکٹر نوید احمد گل

ایسوسی ایٹ پروفیسر (فارسی)

گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، شیخوپورہ

فروغ فرخزاد

Forough Farrokhzad

Persian poetry has, since ages, been a captive to a male voice. Even a feminine discourse has been masked by the male accent till there appears the poetry of Farogh Farrukhzad and for the very first time, a woman gave vent to her feelings in a feminine voice. Farogh`s poetry gave vociferous expression to the Iranian woman reacting against her centuries old frustrationg silence, Farogh`s telent was well appreciated. None else in the Persian literature could ever match her bold expressions though her life spans over a period of not more than 33 years i.e. 1933-1966. In this article the glimpses of her poetic flair and its appreciation are given.

Key words: Persian Poetry, Feminine, Vociferous, Centuries, Frustrationg, Glimpses.

اردو اور فارسی میں شاعرات کی تعداد معاشرتی ''انگشت نمائی'' کے باعث انگشت شمار ہی رہی ہے۔ جدید فارسی کی سخنور خواتین میں قرۃ العین طاہرہ قزوینی (۱۸۵۲ء)، پروین اعتصامی (۱۹۴۱ء)، سیمین بہبہانی (۲۰۱۴ء) اور فروغ فرخ زاد (۱۹۶۶ء- ۱۹۳۳ء)اہم ہیں۔ ان میں فروغ اپنی فکری جدت پسندی، فنی بداعت اور سماجی انقلاب آفرینی کی بدولت گُلِ سرسبد ہے۔

فروغ تہران میں پیدا ہوئی، بچپن یہیں گزرا، ابتدائی تعلیم بھی تہران میں پائی، شاعری، خطاطی اور مصوری شروع کی، اسی دوران شادی ہوئی، بیٹا ہوا، جلد ہی طلاق ہو گئی، عدالتی چارہ جوئی سے خاوند نے بیٹا بھی چھین لیا۔ اس کے علاوہ فروغ نے اداکاری اور ہدایت کاری کے میدان میں بھی اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔ فروغ یہ سب کام صرف ۳۳سال میں مکمل کر کے رخصت ہو گئی[۱]، اور یوں فروغ نے نہایت ہی کم عرصہ میں وہ تمام تلخ و شیریں تجربے سمیٹ لیے جن کے لیے لوگ اَسّی یا سو سال تک ایڑیاں رگڑتے رہتے ہیں۔

فروغ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ یونیسکو اور ایک اطالوی کمپنی نے اس کی زندگی پر پندرہ پندرہ منٹ کی دستاویزی فلم دکھائی۔ (۲)

فروغ کے ایک معاصر شاعر **سہراب** سپہری نے اس کے پُر سوز مرثیہ کیا سچ کہا ہے:

بزرگ بود
واز اھالی امروز بود
وبا تمام افق ھای باز نسبت داشت
ولحنِ آب وزمین راچہ خوب می فہمید (۳)

"فروغ نے تیرہ چودہ برس کی عمر سے شاعری شروع کی اور پھر عمر بھر کا ساتھ رہا۔ حتیٰ کہ جب شوہر اور شاعری میں سے کسی ایک کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو فروغ نے شاعری کے حق میں فیصلہ دیا اور پھر جب شوہر نے بیٹا بھی چھین لیا تو فروغ کی اکلوتی اولاد اس کی شاعری ہی اس کے پاس رہی۔ (۴)

پروفیسر **انور** مسعود اپنی کتاب "فارسی ادب کے چند گوشے" میں فروغ کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

الف: "شاعری مرد کی زبان سے اس کے راز سن سن کر تنگ آچکی تھی فروغ فرخ زاد کی زبان سے پہلی مرتبہ اس نے عورت کے راز سنے۔ (۵)"

ب: "فروغِ تن تنہا قرنوں کی خاموشی ایرانی عورت کی زبانِ گویا ہے۔ (۶)"

ج: "ایرانی عورت جو صدیوں سے شاعرانہ خلاقیت کے اعتبار سے بانجھ تھی فروغ فرخ زاد کی ذات میں وہ حاملہ ہوئی (۷)۔"

د: "فروغ فرخ زاد کی آواز ایرانی خواتین کی لمبی چُپ کا شدید عکس العمل ہے۔ (۸)"

فروغ کی چار کتابیں شائع ہوئیں جنہیں شہرت نے ہاتھوں ہاتھ لیا:

"اسیر" (۱۹۵۲ء)، "دیوار" (۱۹۵۷ء)، "عصیاں" (۱۹۵۹ء) اور "تولدی دیگر" (۱۹۶۲ء) (۹)

"اسیر"، اس مجموعہ میں ایک عورت (سب عورتوں کا نہیں) کا آہ و نالہ اور آزادی کے لیے اس کی پکار سنائی دیتی ہے۔" (۱۰)

خود فروغ کے بقول:

"شاعری اس دور میں ابھی میرے اندر پوری طرح رچی بسی نہ تھی بلکہ محض آشنائی پیدا ہوئی تھی وہ بھی سرسری سی۔ (۱۱)"

پروفیسر انور مسعود "**اسیر**" کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اسیر، اس کا پہلا مجموعہ ہے۔ نظموں کا یہ مجموعہ اس کی کچی عمر کے تجربات کے بے باک اظہار پر مشتمل ہے۔ اس مجموعے میں یوں لگتا ہے جیسے وہ جسم کی سیاحت پر نکلی ہے اور لذتوں کے تشنج کی عکاسی کر رہی ہے۔ شب و ہوس، ہرجائی، خاطرات، بوسہ اور اسیر نظموں کے عنوانات ہیں۔ (۱۲)"

عشق جو ہنوز لجائی گھاتوں اور شرمائی باتوں کا سہارا لیتا تھا۔ فروغ نے اسے ایک برملا اور واضح پن عطا کر دیا۔

ن۔م۔راشد۔ "اسیر" کی نظموں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہر چند فروغ کا عشق خالصتاً ارضی اور فردی ہے مگر یہ اپنے خروش و ہیجان اور التہاب میں رومی (۱۲۷۳ء) کا سارنگ لیے ہوئے ہے۔ فروغ کے نزدیک عشق ایک مسلسل تجسس اور "سوختنِ ناتمام" کا نام ہے۔ پوری مفاہمت یا کامل شناسائی کا نام نہیں اور اس میں عورت کے جسم کو بڑا مقام حاصل ہے۔ (۱۳)" ذرا فروغ کا خالص نسوانی رنگ میں تمنا، مطالبہ اور احتجاج کا انداز دیکھیے:

من ز شرم شگوفہ لبریزم
یارِ من کیست ای بہارِ سپید؟
گر نہ بوسد در این بہار مَرا
یارِ من نیست ای بہارِ سپید (۱۴)

"اسیر" کی نظموں میں لمحاتی مسرت کی عملی صورتوں کا تدریجی مطالعہ اس نے جس بے حجابانہ انداز میں کیا ہے وہ ایرانیوں کے لیے انتہائی گستاخانہ حرکت تھی۔ فروغ نے اپنی نظم "بوسہ" میں بالخصوص شعلۂ ہوس کی لپک کا ایک ایک زاویہ دکھایا ہے۔ اس نے نگاہ کو آنکھوں میں مسکراتا، خاموش لبوں پر نالۂ آہ کو تڑپتا، ایک سائے کو

دوسرے سائے پر جھکتا، سانس کو رخسار پر لڑکھڑاتا اور پھر ہونٹوں کے بے تابانہ اتصال سے بوسے کے شعلے کو بڑھکتا ہوا دکھا کر ایک ایسے راز کو افشاں کیا ہے جسے رات کی تاریکی نے اپنی پُراسرار گود میں جنم دیا تھا:

درد و چشمش گناه می خندید
بر رُخش نورِ ماه می خندید
در گذرگاهِ آن لبانِ خموش
شعلهٔ بی پناه می خندید
شرمناک و پُراز نیازی گنگ
بانگاهی که رنگِ مستی داشت
در دو چشمش نگاه کردم و گفت
باید از عشق حاصلی برداشت
سایه ای رویِ سایه ای خم شد
در نهانگاهِ راز پَروَرشب
نفسی روی گو نه ای لغزید
بوسه ای شعله زدمیانِ دولب(۱۵)

گویا فروغ نے آرزو کو امرِ واقعی بنا کر پیش کر دیا ہے۔ ”ساز سخن پر اس نے عشق کا راگ چھیڑا ہے۔ خود سپردگی اور شوریدگی کے روپ میں ایک عاشقانہ نگرش (Vision) اس کی شاعری پر چھائی ہوئی ہے۔ فروغ کی شاعری جدید شہری زندگی کے کرب کی آواز ہے۔ ایک ایسی آواز جو حسرتوں سے لبریز ہے۔ (۱۶)“ ”فروغ ساری عمر بے اعتنائی کے ملال میں روتی رہی۔ اس کی شاعری کا بڑا حصہ یادوں کی تجدید اور ان سے گریز پر مبنی ہے۔ (۱۷)“

فروغ کے خطوط میں یہ جملہ اکثر پڑھنے کو ملتا ہے: ”تم سب چلے گئے ہو میں یہاں تنہا پڑی ہوں یہ تنہائی تو مجھے مار ڈالے گی۔ (۱۸)“ پھر فروغ اپنی یادوں کو یوں یاد کرتی اور کرواتی ہے:

یاد آن قهقهه های شیرین
یاد آن خلوت و خاموشی ها
یاد آن زمزمه های آرام

یاد آن مستی و مدہوشی ہا
یاد آن بوسہ کہ ہنگامِ وداع
برلبم شعلۂ حسرت افروخت
یاد آن خندۂ افسردۂ یاس
کہ سراپا و وجودم را سوخت[۱۹]

شوہر کی بے اعتنائی، بیٹے کی جدائی اور تنہائی نے فروغ کو جگ ہنسائی اور رسوائی کا نمونہ بنا دیا۔ وہ ساری عمر خوشیوں کے پیچھے بھاگتی رہی اور اچھے دنوں کے لیے روتی رہی مگر ''الانتظار اشد من الموت'' لہٰذا فروغ غصے میں آکر چلا اٹھتی ہے:

در بہ بندید و بہ گویید کہ من
جز از او از ہمہ کس بہ گسَتم
کس اگر گفت چرا؟ باکم نیست
فاش گویید کہ عاشق ہستم
قاصدی آمد اگر ازرہِ دور
زود پُرسید کہ پیغام از کیست؟
اگر از او نیست بہ گویید آن زن
دیر گاہی است در این منزلِ نیست[۲۰]

اس خلوص، مکمل خود سپردگی، کامل داخلی شوریدگی، ہیجان اور صلائے برملا کے جواب میں فروغ کو جب انتظار، تنہائی، دوری، مہموری اور ہرجائی پن کا سامنا کرنا پڑا تو اس کے شدید ردِ عمل کے طور پر اس نے ہوسناکی اور ہوس رانی کو اختیار کر لیا۔ **فروغ** کے بقول: ''ہوسناکی اپنی شدت اور حدت میں کسی طرح بھی عظیم عشق سے کم نہیں لہٰذا وہ اپنے گناہوں کا ذکر نہایت جسارت اور بڑی لذت سے مزے لے لے کر بلکہ مزے دے دے کر کرتی ہے۔ اور وہ اس عشق کی ترجمان بن گئی جو جنسی کامیابی پر منتج ہوتا ہے۔ [۲۱] ''

لہٰذا ''دیوار''' کی ایک نظم **''گناہ''** میں اس نے یہ اعتراف کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کیا کہ میں نے تاریک اور خاموش خلوت گاہ میں اس کی آغوش میں اپنی پریشانیوں کا مداوا کیا۔ اس کے ہونٹوں نے میرے ہونٹوں پر ہوس انڈیل دی اور میں نے اس کی گرم گرم اور آتشیں آغوش میں ایک پُرلذت گناہ کا ارتکاب کیا: (۲۲)

در آن خلوتگہِ تاریک و خاموش
نگہ کردم بہ چشمِ پُرز رازش
دلم در سینہ بی تابانہ لرزید
ز خواہشہای چشمِ پُر نیازش
در آن خلوتگہِ تاریک و خاموش
پریشان در کنارِ او نشستم
لبش برروی لبہایم ہوس ریخت
ز اندوہِ دلِ دیوانہ رَستم
تنِ من درمیانِ بستر نرم
بہ روی سینہ اش مستانہ لرزید (۲۳)

یہ انداز ہوسناکی بلکہ ہوسکاری اس پر یہ جزئیات نگاری بڑی موثر نظر آتی ہے۔ پروفیسر **انور** مسعود لکھتے ہیں:

الف: ''فروغ کے دو مجموعے **''اسیر''** اور **''دیوار''** اسی قبیل کی واشگاف منظومات پر مشتمل ہیں۔ وہ بڑے سربستہ رازوں سے اس طرح پردہ اٹھاتی ہے کہ ایک ایک گوشہ عریاں ہونے لگتا ہے (۲۴)۔''

ب: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ ان نظموں سے یہی تاثر ملتا ہے کہ فروغ بدن میں ڈوبی ہوئی ہے اور اس کے نزدیک عشق اور ہوس میں کوئی فرق نہیں۔ جسم کے سریع السیر اور لمحاتی مسرتوں کے بے باکانہ بیان کے علاوہ اس کا کوئی ہدف دکھائی نہیں دیتا۔ اس نے منفی ہیجان کے تلاطم کو اشعار میں انڈیل دیا ہے اور اس کرب کی بڑے تیز رنگوں سے نقاشی کی ہے۔ (۲۵)''

ج: ''اس نے اپنے جذبات کو الفاظ کی میناکاری میں دفن نہیں کیا بلکہ اس ہیجانی لاوے کو بے ساختہ اُگل دیا ہے۔ (۲۶) ''

د: ''جب یہ نظمیں شائع ہوئیں تو ایران میں فروغ کے خلاف طعن و تشنیع کا ایک طوفان برپا ہو گیا۔ ایرانی آزاد خیال اور خوش باش ہونے کے ساتھ ساتھ محکم مشرقی بھی ہیں۔ ان کے لیے یہ بالکل انوکھی بات تھی کہ ایک شاعرہ تو کیا ایک شاعر بھی اپنے عواطف و احساسات کی بے پردہ تجسیم کرے (۲۷)۔'' مگر ڈاکٹر **صبور** جیسے مشہور ادیب اس کے دفاع میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ ڈاکٹر صبور لکھتے ہیں:

> ''کسی فن پارے کی قدر یا اہمیت کا معیار، ہُنر ہے نہ کہ رائج اخلاق جو خود بھی تغیر پذیر ہیں۔ فروغ کی مقبولیت کا باعث اس کا فنکارانہ بے ساختہ پن ہے۔ اس کی شاعرانہ سرشت اس کے کلام میں رواں دواں ہے جو قاری کے لیے اپنے اندر بے انتہا کشش رکھتی ہے۔ (۲۸) ''

> اپنے دو مجموعوں (''دیوار'' اور ''عصیان'') پر **فروغ** کا اپنا تبصرہ یہ ہے:
>
> ''یہ دو مجموعے زندگی کے دو مرحلوں کے درمیان ناامیدانہ ہاتھ پاؤں مارنا ہے۔ یہ ایک قسم کی زندگی سے رہائی سے پہلے کی سانسیں ہیں۔ (۲۹) ''

فروغ نے ازدواج کی دیوار توڑی اور پھر اسیر نہ ہوئی اور عصیاں میں مبتلا ہو گئی اور اس نے سب سے رَستگاری تولدی دیگر (دوسرا جنم) میں پائی۔ (۳۰) اپنے آخری مجموعہ ''تولدی دیگر'' (دوسرا جنم) کے بارے میں فروغ کہتی ہے کہ ''اس میں میری شاعری شباب پر ہے اور اپنا یہی مجموعہ اسے سب سے زیادہ پسند تھا۔ یہ اس وقت شائع ہوا جب اس کی عمر تیس سال تھی۔ اس مجموعے میں اس کی نسوانی فکر انتہائی تلطیف شدہ ہے۔'' ایک ایرانی نقاد کے مطابق ''تولدی دیگر'' خالص انسانی فکر و احساس کی تجلیوں کا مظہر ہے۔ فروغ کی شاعری کا بنیادی عنصر عشق ہے۔ (۳۱) ''

''تولدی دیگر'' میں فروغ داخلیت سے خارجیت اور واردادت سے آفاقیت پر کمندیں ڈالتی ہوئی نظر آتی ہے (۳۲)۔ ن۔ م۔ راشد کے بقول:

> ''تولدی دیگر'' میں آفرینش کے خلاف احتجاج ہے۔ اس میں جس درد و اندوہ کا اظہار ہے وہ پوری انسانیت کا دردِ مشترک ہے یہاں پر اس کا نظریۂ عشق ایک نئے رخ اور عرفان سے ہم کنار ہوتا ہے۔ (۳۳) '' فروغ ذاتی حوالے سے کہتی ہے:

رفتم مرا بہ بخش و مگو او وفا نداشت
راہی بہ جز گریز برایم نماندہ بود
این عشقِ آتشین پُر از دردِ بی امید
در وادیِ گناہ و جنونم کشاندہ بود
رفتم کہ گم شوم چو یکی قطرہ اشکِ گرم
در لابہ لائی دامنِ شبرنگِ زندگی
رفتم کہ در سیاہیِ یک گورِ بی نشان
فارغ شوم ز کشمکش و جنگِ زندگی(۳۴)

''اُسلوب کے اس اعتبار سے وہ بانوانِ ایران کی تاریخِ ادبیات میں ایک نئے مکتب کی موٴسس قرار پاتی ہے۔ فروغ کی شاعری کی کونپل کسی اور کی شاخِ سخن سے نہیں پھوٹی، اس نے اپنی شاخ پر اپنا پھول کھلایا ہے۔(۳۵)''
وہ خود کہتی ہے:
''میں بوسیدہ قیود کی زنجیروں کو اپنے ہنر کے ہاتھوں سے توڑنا چاہتی ہوں اور ہر انسان اور بالخصوص خواتین کو یہ حق دلانا چاہتی ہوں کہ وہ دل کی بات کو آزادانہ کہہ سکیں۔(۳۶)''فروغ نے نہایت مقید دور میں حقوقِ نسواں اور آزادیِ نسواں کا نعرہ بلند کیا:

تابہ کی در حرمِ شہوتِ مرد
مایہٴ عشرت و لذت بودن
تابہ کی ہمچو کنیزی بدبخت
سرِ مغرور بہ پایش سُودن
تابہ کی در رہِ یک لقمہٴ نان
صیغہٴ حاجیِ صد سالہ شدن
صوویِ دوم و سوِم دیدن
تابہ کی ظلم وستم خواہرِ من(۳۷)

فروغ کے اسی رجحان کے بارے میں "چشمۂ روشن" کے مصنف رقم طراز ہیں:

"فروغ کی شاعری اپنے تمام نشیب و فراز کے ساتھ ادبیات معاصر میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ فروغ نے بے زبانوں کی زبان بن کر بات کی ہے اور اس کی بات کو خود اپنی روح کے کانوں سے سنا اور سنایا ہے۔ (۳۸)"

اسمعیل نوری کے بقول:

"میں نے فروغ کو اصل صورت میں اس کی شاعری میں دیکھا ہے۔ اس کی شاعری فکری نہیں بلکہ ایک حساس ذہن کا معاشرے سے شدید ردِ عمل کا اظہار ہے۔ وہ ریا اور سالوس کی ایک نمبر دشمن تھی اور زندگی سے اس کو عشق تھا۔ (۳۹)"

فروغ کا میلان، اس کا رجحان ہے۔ اس کا رجحان، ہیجان ہے اور اس ہیجان میں ایک طوفان اور طغیان ہے۔ اب وہ جذبات اور واردات لکھتی ہے تو نام نہاد تہذیب قائم نہیں رہتی اور رسم و رواج نبھاتی ہے تو سچ کی موت نظر آتی ہے لہٰذا وہ سچ کا ساتھ دیتی ہے اور نام نہاد تہذیب اور مشرقیت کو تج دیتی ہے۔ یہ سچ، اس کا اپنا ہے۔ ذاتی ہے۔ نجی ہے۔ جو فاش ہے۔ عریاں ہے۔ برہنہ ہے۔ اس کے کلام میں نسوانیت ہے، عریانی اور جنس ہے۔ اور اگر صداقت کی عینک سے فروغ کی نجی زندگی اور اس کی معاشرتی آویزش، حالت کی مجبوری اور حالات کی مصوری کے وسیع اور عمیق تناظر میں دیکھا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ مندرجہ بالا سب سچ ہے فحاشی نہیں۔ دراصل فروغ کی مثال ایک گائینا کالوجسٹ جیسی ہے۔ کہ جس کے کام میں نسوانیت بھی ہوتی ہے۔ عریانیت بھی اور جنسیت بھی مگر اسے نگاہ کی لطف اندوزی، ذہنی تلذّذ، لبوں کی للچاہٹ یا فحاشی نہیں کہا جاسکتا۔

حوالہ جات

۱۔　ن۔م راشد، ۱۹۸۷ء، جدید فارسی شاعری، پاکستان، لاہور، مجلس ترقی اردو، ص ۲۷۱۔

۲۔　حمید شعائی، ۱۳۵۶ھ، نام آورانِ سیما در ایران، ایران، تہران، ص ۷۰۔

۳۔　بہروز جلال، ۱۳۷۱ھ، گزینۂ اشعارِ فروغ فرخزاد، ایران، تہران، انتشارات، مروارید، ص ۳۴۔

۴۔　با مدیر مجلہ ۱۳۵۶ھ حرفہای با فروغ فرخزاد، (انٹرویو)، ایران، تہران، انتشارات، مروارید، ص ۲۰۔

۵۔　انور مسعود، پروفیسر، ۱۹۹۳ء، فارسی ادب کے چند گوشے، پاکستان، اسلام آباد، ص ۱۷۰۔

۶۔　ایضاً　　　　۷۔　ایضاً

۸۔　ایضاً

۹۔ بہروز جلال، گزینۂ اشعارِ فروغ فرخزاد، ص،۱۳، ۱۴، ۱۶-
۱۰۔ ن۔م راشد، جدید فارسی ادب، ص۳۵۔
۱۱۔ صدرالدین الٰہی، ۱۳۴۵ھ اسفندیار، با فروغ، (مصاحبہ)، سپیدہ وسیاہ (مجلہ)، ص۹۵۔
۱۲۔ انور مسعود، فارسی ادب کے چند گوشے، ص۱۹۔
۱۳۔ ن۔م راشد، جدید فارسی ادب، ص۳۵۔
۱۴۔ بہروز جلال، گزینۂ اشعارِ فروغ فرخزاد، ص۱۴۰۔
۱۵۔ انور مسعود، فارسی ادب کے چند گوشے، ص۱۹۔ ۱۶۔ ایضاً، ص۱۸۔
۱۷۔ ن۔م راشد، جدید فارسی ادب، ص۳۶۔
۱۸۔ فریدون، ۱۳۳۸ھ، بہمن، فردوسی (مجلہ)، گفتار فریدون با فروغ فرخزاد، ایران، تہران، ص۱۷۔
۱۹۔ برقعی، سید محمود باقر، ۱۳۳۴ھ، سخنوران نامی معاصر، ایران، تہران، مطبوعاتی امیر کبیر، ص۳۱۲۔
۲۰۔ ایضاً، ص۲۱۴
۲۱۔ ن۔م راشد، جدید فارسی ادب، ص۲۷۔
۲۲۔ انور مسعود، فارسی ادب کے چند گوشے، ص۲۳۔
۲۳۔ برقعی، سخنوران نامی معاصر، ص۲۱۲۔
۲۴۔ انور مسعود، فارسی ادب کے چند گوشے، ص۲۳۔
۲۵۔ ایضاً۔ ۲۶۔ ایضاً، ص۲۴۔
۲۷۔ ایضاً۔ ۲۸۔ ایضاً، ص۲۵۔
۲۹۔ ایضاً، ص۲۷۔ ۳۰۔ ایضاً، ص۲۸۔
۳۱۔ ایضاً، ص۳۰۔ ۳۲۔ ایضاً۔
۳۳۔ ن۔م راشد، جدید فارسی ادب، ص۳۷۔
۳۴۔ بہروز جلال، گزینۂ اشعار فروغ فرخزاد، ص۲۱۔
۳۵۔ انور مسعود، فارسی ادب کے چند گوشے، ص۱۸۔ ۳۶۔ ایضاً، ص۳۳۔
۳۷۔ برقعی، سخنوران نامی معاصر، ص۲۱۲۔
۳۸۔ غلام حسین یوسفی، دکتر، ۱۳۷۷ھ، چشمۂ روشن، ایران، تہران، ص۵۰۸۔
۳۹۔ انور مسعود، فارسی ادب کے چند گوشے، ص۳۹۔